© rasailojaraid.com

امام غزالیؒ کا سماجی فلسفہ: کھانے کے آداب

نسرین افضل*

توقیر فاطمہ**

ABSTRACT:

Al Ghazali (1058-1111) is one of the greatest Muslim writers. Al Ghazali wrote nearly seventy seven books out of which this article the Urdu translation Mazaqul Arifeen of Ihya Ul Uloom Ud Deen (1096-1097)(The Revival of the Religious Sciences) which is regarded as the greatest work of Muslim spirituality has been selected. The Revival of the Religious Sciences is divided into four parts, each containing ten chapters. Part one deals with knowledge and the requirements of faith-ritual purity, prayer, charity, fasting, pilgrimage, recitation of the Quran, and so forth; part two concentrates on people and society-the manners related to eating, marriage, earning a living, and friendship; parts three and four are dedicated to the inner life of the soul and discuss first the vices that people must overcome in themselves and then the virtues that they must strive to achieve. The topic of the article has been chosen from the second volume of this great work. In this article through the eating manners the social and ethical thinking of a society as discussed by Ghazali has been studied.

تعارف

اس تحقیق کا بنیادی موضوع ''امام غزالیؒ کا سماجی فلسفہ: کھانے کے آداب'' ہے۔اس موضوع کا انتخاب امام غزالیؒ کی تصنیف ''احیاء العلوم الدین'' سے کیا گیا ہے۔اس تحقیق میں امامی غزالیؒ کے اُن فلسفیانہ وفکری رجحانات پر تبصرہ کیا گیا ہے۔جو انکے کھانے اور اس کے قواعد وضوابط کے بارے میں تھےامام صاحب کے نزدیک کھانا کھانا انسان کی ایک اہم سرگرمی ہے اور اس سرگرمی کو پورے عزت واحترام واہتمام کے ساتھ سرانجام دینا ضروری ہے تاکہ اس سے بھرپور فائدہ اُٹھایا جائے اور اس ضمن میں امام صاحب کی فلسفیانہ جہت کے مطابق غذائی اشیا حلال ہوں بلکہ اُن تک رسائی کے ذرائع بھی پاکیزہ اور درست ہوں اور جب یہ دونوں خصوصیات کھانے میں موجود ہوں تو اس کے ساتھ ہی کھانا تناول کرتے ہوئے

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہء تاریخ عمومی، جامعہ کراچی　　برقی پتا: jhss@uok.edu.pk

** ریسرچ اسکالر، شعبہء تاریخ عمومی، جامعہ کراچی

تاریخِ موصولہ: ۱۵رجنوری۲۰۱۲ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نیت کا درست ہونا بھی ضروری ہے تا کہ یہ تمام عوامل مل کر انسان کی تخیلاتی، تخلیقاتی وفکری جہتوں کی صحیح جانب راہنمائی کر سکیں۔امام غزالیؒ کے اس فکری ونظری رجحان کے پیچھے سماجی علوم اور سماجیات سے گہری وابستگی کا اظہار چھپا ہوا ہے اور یہ سوچ وفکر امام صاحب کے ماحول کی دین تھی۔ کیونکہ حقیقت میں امام صاحب کو وہ ماحول ملا جس میں ان کا بچپن والد صاحب کے نہ ہونے کی وجہ سے ایک مدرسے میں گزرا۔ان مدارس کے ماحول نے ان کو سماج سے قریب ترین کر دیا۔ بے شک اس کے ساتھ ہی علمی اعتبار سے وہ دور بھی ملا جو ہر لحاظ سے علمی وادبی عروج کا تھا اس دوران تحصیلِ علوم کی خاطر جو مختلف مراحل اور سفر کیے اور دوران سفر مختلف معاشروں، انسانی گروہوں اور اُن کے تہذیب وتمدن کے بارے میں جو واقفیت ہوتی چلی گئی اس سے آداب واخلاقیات، اقدار اور قواعد وضوابط سے متعلق ایک خاکہ ذہن میں واضح ہوتا چلا گیا۔لیکن مختلف مدارس کا ماحول جس میں ریاستی اور غیر ریاستی دونوں مدارس شامل تھے،اُن کے اندر ہونے والے علما وفضلا کے مناظرے، مباحثے اور آپس کی چپقلیشوں کی وجہ سے جو اثرات عوام الناس اور معاشرے کے دوسرے اداروں پر اثر انداز ہو رہے تھے اس کے ساتھ ہی علما اور فضلا کا اپنی اپنی علمی جہتوں کے اوپر غرور وتکبر، یونانی فلسفیانہ نظریات کا پرچار، اور سیاسی انتشار کے ساتھ اندرونی ریشہ دوانیوں نے مل کر جو اثرات عوام الناس اور سماجی اقدار پر مرتب کیے تھے اور جن کی وجہ سے اخلاق اور اخلاقی ضابطے شدید متاثر تھے ان سب نے امام غزالیؒ کی سوچ کو ایک نئی سمت دیدی اور علوم دینیہ، علومِ سماجیات وسیاسیات اور اسلامی فکر کے تنوع نے اس خاکے کو فلسفیانہ گہرائی عطا کر دی۔

امام صاحبؒ نے اسی جدت پسندی اور نظری وفکری رجحانات کے تحت قلم اُٹھایا تو معلوم ہوا کہ سماجیات اور سماجی علوم سے متعلق ایک دقیق تحقیق کا نمونہ سامنے آیا جس کے تحت ہر سماج ومعاشرے کی بقا روایات، اقدار، اخلاقیات اور اخلاقی قواعد وقوانین قرار دیئے گئے جن کا اقوام عالم کی تنزلی وترقی میں نہایت اہم کردار تھا اور جو موضوعاتی اعتبار سے اتنے جامع اور وسیع میدان رکھتے ہیں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہی اقدار وقوانین ہیں جو سماج کے لیے ضروری ہیں اور انکے نہ ہونے سے شاید معاشرے غیر متمدن اور غیر تہذیب یافتہ رہتے ہیں۔انہی موضوعاتی تنوع اور فلسفیانہ اور فلسفیانہ جہت کی وجہ سے آداب واخلاقیات میں امام غزالیؒ کا کوئی ثانی نہیں ہے۔اس تحقیق کے لیے بھی انہی سماجی موضوعات میں سے ایک اہم موضوع کا انتخاب کیا گیا۔جس کا عنوان ''امام غزالیؒ کا سماجی فلسفہ: کھانے کے آداب'' ہے۔ جو اہمیت کے اعتبار سے ہمہ گیر اور عالمگیری نوعیت کا حامل ہے اور کسی حد تک حساس بھی ہے کیونکہ کھانا کھانا ہر انسان کا ذاتی فعل ہے اور اس فعل کو انجام دینے میں ہر شخص آزاد بھی ہے کہ وہ جس طرح چاہے کھائے اور جو چیز چاہے کھائے۔اور اس ضمن میں چند اصول و ضوابط کو مرتب کرنا حضرت انسان کی شخصی آزادی کو سلب کرنے کے مترادف ہے ان قوانین کو اگر اجتماعی تناظر میں دیکھا جائے تو یہ ایک قانون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یقیناً یہ قوانین معاشرتی وشخصی سطح پر اُسی وقت قابل قبول تھے جب یہ اپنے اندر لچک اور مکمل افادیت طبی وجسمانی رکھتے اس تحقیق کے ذریعے اسی نکتے تک رسائی حاصل کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام نے جو اصول و قواعد کھانے کے لیے ترتیب دیئے ہیں وہ ہی انسانی صحت و تندرستی کے ضامن ہیں بلکہ معاشرتی فعالیت اور سماجی نشو و ارتقا کی جانب مکمل راہنمائی کرتے ہیں اور آج اکیسویں صدی میں ان کی اہمیت اور افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔سرنامۂ عنوان کے لحاظ سے اس تحقیق کا موضوع اتنا عام فہم اور آسان ہے کہ جو اپنا تعارف خود ہی بن جاتا ہے۔کیونکہ کائنات کی آفرینش کے ساتھ ساتھ حضرت انسان کا وجود اس کائنات کی پہلی بنیادی اکائی قرار پایا اور اُسی دن سے انسانی زندگی کی بقا اور نشو و نما کے لیے بھوک و پیاس انسان کی پہلی احتیاج بھی قرار دیئے گئے اور اس خواہش و ضرورت کو پورا کرنے کے لیے انسان نے مختلف النوع طریقے اپنائے اور اس کے لیے کہیں پر اُس نے غلہ و سبزہ اگایا اور کہیں شکار کر کے حیوانات کو اپنی غذائی ضرورت کے لیے استعمال کیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ 'کھانا' انسان کی بنیادی ضرورت بھی ہے اور تسکین و آسائش بھی۔ضرورت کا نکتہ یہ ہے کہ جب بھوک لگی تو کوئی بھی غذائی اشیا مثلاً اناج، سبزی، پھل، گوشت، وغیرہ کھا کر بھوک مٹالی جبکہ اس کے برعکس آسائش اس لحاظ سے کہ انواع و اقسام کے پھل جمع کیے رنگ رنگ کے اناج پیدا کیے۔گوشت کی مختلف اقسام بنا ڈالیں، حیوان کا گوشت، پرندکا گوشت، آبی گوشت وغیرہ نا صرف یہ کہ ان کو پکانے اور پر لذت بنانے کے لیے لاکھوں تراکیب ایجاد کر ڈالیں جیسا کہ کھانا بنیادی ضرورت ہے اسی طرح سے کھانا کھانے کے چند ایک طور طریقے بھی ضروری ہیں جو تہذیب یافتہ معاشروں کی علامت ہوتے ہیں۔

کھانا کھانے کے آداب:

امام غزالیؒ کا تعلق علما و فقہا کے اس گروہ سے ہے جو علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ اخلاقیات کو سماج کی بنیاد قرار دیتے ہیں اور انھی سماجی موضوعات پر اپنی تصنیف مذاق العارفین کی دوسری جلد میں سیر حاصل بحث کی ہے۔انھی موضوعات میں ایک باب 'کھانے کے آداب' پر مشتمل ہے جو اس تحقیق کا سرنامۂ عنوان ہے۔جس میں امام غزالیؒ نے خواہش، اخلاقیات اور سماجیات کے اوپر اس عنوان کی وسعت و کاملیت کے لحاظ مختلف روایات دیکر اس عنوان کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔کیونکہ دنیا میں بہت سی تہذیبیں، ثقافتیں اور تمدن گزرے اور ہر تہذیب و تمدن ہی تاریخی لحاظ سے چند خصوصیات کے حامل رہے ایسے ہی ہر علاقے، جگہ، ملک، غرض کہ جنگلوں میں بسنے والے انسان کے بھی کھانا کھانے کے چند ایک آداب ہمیشہ قائم رہے ہے۔اسی طرح سے اسلام کا بھی اپنا ایک اخلاقی ضابطۂ حیات ہے اس میں کھانا کھانے کے بھی کچھ قواعد و ضوابط مقرر کیے ہیں۔جس میں غذا کو کھانے سے لے کر اُس کے ختم کرنے تک کے آداب ہیں اور نہ صرف غذا کھانے کی تاکید کی گئی ہے بلکہ غذا کو تمام آداب و فرائض و مستحبات کے ساتھ تناول کرنے کی خاص تاکید بھی ہے۔امام غزالی اس بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ اللہ نے جس دن سے کائنات بنائی ''ابر بہار سے شیریں پانی برسایا۔پھر اس سے غلہ و سبزہ اگایا'۔اور رزقوں اور غذاؤں کو انداز سے رکھ کر ماکولات سے حیوانوں کی حفاظت کی اور حلال غذا کھانے سے طاعت اور نیک اعمال پر اعانت فرمائی''(۱) یعنی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ غذا اگر حلال ہوتی تو انسان کے اعمال و کردار بھی نیک ہوں گے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے معنی یہ ہیں کہ حیوانوں کو (ماکولات) یعنی جنگلات میں پناہ دیدی لیکن حضرت انسان کو عقل جیسی نایاب شے دیدی تو اپنے بچاؤ کا طریقہ بھی اسے خود ہی ڈھونڈنا ہے۔روایات دیگر میں امام غزالیؒ تحریر کرتے ہیں۔''غذا اور کھانا بھوک کے وقت اور حاجت کے موافق کھاتے ہیں۔''(۲) کھانے ہی کے ضمن میں امام غزالیؒ نے چند ایک احادیث وروایات پیش کی ہیں جیسے ''کھانا بھی دین سے ہے۔''(۳) روایات دیگر ''تم میں جو شخص کھانے پر اس غرض سے جرأت کرے کہ اس کے باعث علم وعمل پر مدد اور تقویٰ پر قدرت حاصل ہو تو چاہیے کہ اپنے نفس کو بیکار اور مہمل نہ رکھے اور اپنے نفس کو غذا میں اسطرح نہ چھوڑے جیسے چوپائے چراگاہوں میں چھوٹے رہتے ہیں۔''(۴) مندرجہ بالا روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کو غذا ایک لگے بندھے اصول کے تحت پاکیزگی اور طہارت کے ساتھ کھانی چاہیے۔اور جب بھوک محسوس ہو تب ہی کھانا صحیح ہے جبکہ دیگر اوقات کار میں جب انسان کے اندر خواہش نہ ہو کھانے کی صورت میں مضرِ صحت ہے۔ایسے ہی پاکیزگی سے مراد یہاں کھانے کی اشیا کا حلال ہونا ہے۔اس امر کو امام غزالیؒ کی پیش کردہ احادیث مبارکہ کی روشنی میں زیادہ بہتر سمجھا جا سکتا ہے۔ایک دفعہ ذوالنون مصری بادشاہ کی قید میں تھے لیکن انہوں نے کھانا نہیں کھایا ایک دن ان کی بہن نے اپنے ہاتھوں سے سوت کات کر ان کے لیے کھانا بھیجا۔انہوں نے وہ بھی نہیں کھایا۔بہن نے کہا کہ میں نے محنت کے پیسوں سے کھانا پکا کر بھیجا تھا۔آپ نے جواب دیا بے شک کھانا حلال تھا مگر دینے والا ظالم تھا۔'(۵) عبارت بالا کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ غذا کی پاکیزگی اور اُسے حاصل کرنے کے طریقے کا صحیح ہونا اسلام میں ایمان کا لازمی جز ہے۔ کیونکہ غذا انسان کے ذہنی وجسمانی افعال کی بہتری کے لیے ہوتی ہے اس کے ساتھ ہی ذہنی بڑھوتری اور جسمانی استعداد (صلاحیت) میں اضافے کا سبب بھی۔اس لیے غذا شریعت، مذاہب اور رواج کے مطابق ہو، انہی وجوہات کی بنا پر امام غزالیؒ کے نزدیک کھانا کھانے کی مختلف حالتیں وصورتیں اور طور طریقے ہیں۔اول: انفرادی کھانا۔دوم: اجتماعی کھانا۔سوم: مشترکہ اپنے ملنے والوں کے ساتھ کھانا۔چہارم۔دعوتی کھانا جس طرح سے کھانے کی مختلف شکلیں ہیں ویسے ہی کھانے کو تناول کرنے کے آداب بھی مختلف ہیں۔یہ آداب کھانا تین طرح کے ہوتے ہیں۔کھانا تناول کرنے سے پہلے۔دوم: کھانا تناول کرنے کے دوران۔سوم: کھانا تناول کرنے کے بعد۔ان آداب میں چند ایک مشترکہ آداب ہیں اور چند ایک کھانے کی درجہ بندی کے ساتھ بدل جاتے ہیں۔انفرادی کھانا تناول کرنے اور اجتماعی کھانا تناول کرنے کے آداب تقریباً ایک ہی ہیں اس لیے انہیں مشترکہ ہی تحریر کیا ہے سوال یہ ہے کہ یہ مشترکہ آداب کیا ہیں۔

کھانا کھانے کے مشترکہ آداب:

کھانا کھانے کے مشترکہ آداب تقریباً سات ہیں جن کا خیال رکھنا ضروری ہے اول کھانے کا ادب یہ ہے کہ 'کھانا خود حلال ہو اور کمائی بھی پاک ہو طیب ہو (یہ اصول دعوتی کھانے میں تھوڑا بدل جائے گا جسکی تفصیل آگے آئے گی) دوم ہاتھوں کا دھونا، سوم: کھانا دسترخوان پر رکھے جو زمین پر بچھا ہو۔چہارم: دسترخوان پر جس طرح سے بیٹھے اُسی طرح بیٹھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہے (دعوتی کھانے میں یہ اصول تھوڑا تبدیل ہو جائے گا) پنجم: غذا کھانے میں یہ نیت کرے اس میں اللہ کی اطاعت ہو۔ ششم: جو رزق موجود ہو اس پر راضی ہو۔ ہفتم: کھانے پر بہت ہاتھ ہوویں۔(۶) پہلے ادب سے مراد غذا کی طہارت ہے یعنی پاک وصاف ہو۔ یعنی اسلام میں جن غذائی اشیا کو حلال قرار دیا گیا ہے کھانے میں صرف وہ ہی ہوں اور کھانا تناول کرنے والے کو یہ یقین بھی ہو اس کے علاوہ اگر کھانے کا انتظام اُس شخص نے کیا ہو جسے کھانا کھانا ہے تو اُسے یہ بھی معلوم ہو کہ اس مد میں استعمال ہونے والی آمدنی بھی حلال اور صحیح ذریعے سے کمائی گئی ہو۔ کیونکہ اگر آمدن حلال نہ ہو یا غذائی اشیا طیب نہ ہوں تو اس صورت حال میں انسانی جسم کو جو فائدہ حاصل ہونا ہے وہ حاصل نہیں ہوگا۔ امام غزالیؒ تحریر کرتے ہیں ''اور اللہ تعالیٰ نے طیب غذا کھانے کا حکم فرمایا ہے اور باطل کو کھانے سے منع فرمایا'' (۷) اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ غذا کا صاف ستھرا اور حلال ہونا کتنا اہم ہے۔

مشترکہ آداب میں دوسرا ادب صفائی کے زمرے میں آتا ہے یعنی ہاتھوں کا دھونا۔ اس احکام کے تحت طبی وسماجی اخلاقیات کے دونوں پہلوؤں کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں امام غزالیؒ نے تحریر کیا ''اس لیے ان کا دھونا نظافت کے شایان ہے اور دوسرے کھانا عبادت ہے تو اس سے پہلے ایسی کوئی بات ہو جیسی نماز سے پہلے طہارت۔'' (۸) اس ادب کے تحت طبی نکتہ یہ ہے کہ اگر کھانے سے پہلے ہاتھ دھو لیے جائیں تو ہاتھوں پر جو بھی جراثیم یا کام کے دوران گندگی لگی ہوگی وہ دور ہو جائے گی۔ دوسرا اخلاقی پہلو یہ ہے کہ جب انسان کو عادت ہوگی تو وہ چاہے اکیلا کھانا کھائے یا مشترکہ طریقے سے تمام لوگوں کے ساتھ مل کر کھائے تب بھی ہاتھ دھوئے گا۔ اس کا اثر یہ ہے کہ ساتھ کھانے والے اس سے کراہیت نہیں کریں گے۔ اس احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی مختلف اقوام کے ہاں کھانا کھانے سے پہلے ہاتھوں کی صفائی کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ (۹) کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کا رواج عربوں میں ہی نہیں عجمیوں میں بھی موجود تھا۔

کھانے کا تیسرا ادب یہ ہے کہ اُسے دستر خوان پر رکھا جائے یا میز پر اس سے مراد یہ ہے کہ کھانا زمین پر دستر خوان بچھا کر چنا جائے اونچی جگہ پر کھانا رکھنے یا اونچی جگہ بیٹھ کر کھانے کی ممانعت ہے۔ امام غزالیؒ تحریر کرتے ہیں حدیث میں ہے۔ ''یہ فعل آنحضرت سے قریب تر ہے۔'' (۱۰) اسی بات کو علامہ شبلی نے اس طرح سے لکھا ہے ''آپ ﷺ کا دستور تھا کہ جب کھانا سامنے آتا تو اُس کو زمین پر رکھتے۔'' (۱۱) ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق کھانے کو نیچے رکھنے کا حکم ہے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اس عمل سے انسان غرور وتکبر سے بچتا ہے۔ متنونِ بالا سے سماجی نکتہ بھی منسلک ہے اور امام غزالی کے نزدیک اس ادب کو پسند کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہوں نے درباروں کے پرشکوہ دستر خوان دیکھے تھے اور ایک طالب علم کی حیثیت سے مدارس کے سادہ دستر خوان کو بھی نزدیک سے دیکھا۔ یہی وہ نکتہ تھا جس نے امام غزالیؒ کو سادہ مزاج بنا دیا۔ یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ سادہ رہن سہن انسان کو دنیاوی برائیوں سے دور رکھتا ہے جبکہ اس کے برعکس جتنا پر تعیش رہن سہن ہوگا معاشروں میں بسنے والے افراد کے اندر اوصاف حمیدہ اسی قدر کم ہوں گی۔ اسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نکتۂ فکر کے تحت امام غزالیؒ نے اس بات پر زور دیا کہ زیادہ سے زیادہ سادہ طریقے سے گزراوقات کرنی چاہیے۔اس سے انسان کی دنیاوی رغبت کم ہوجاتی ہے اور اگر اس کے ساتھ ہی افراد معاشرہ کا رجحان مذہب کی طرف ہو تو وہ لہولعب اور عیش وعشرت میں نہیں پڑتے۔

چوتھا کھانے کا ادب نشت و برخاست سے متعلق ہے کہ کھانے کے لیے دسترخوان پر جس انداز میں بیٹھے پورا کھانا اسی انداز میں بیٹھ کر کھائے اور یہ طریقہ علما وفضلا کے نزدیک بہترین ہے۔امام غزالیؒ نے ابن ماجہ سے روایت کی ہے ''رسول اکرم ﷺ دوزانوں ہوکر بیٹھے تھے۔''(۱۲) یہ انداز کھانے میں احترام کا عکاس ہے۔کیونکہ لیٹ کر کھانا اور کھڑے ہوکر کھانا دونوں مُضر صحت ہیں روایات دیگر کو امام غزالیؒ نے سعدی بن کرب سے یوں نقل کیا ہے۔''گھوڑے کی پشت پر بیٹھ کر کھانا غلط ہے اور پیٹ کے بل بھی جبکہ عرب لوگ کبھی کبھی ایسا کرتے ہیں۔''(۱۳) اس متن سے ثابت ہوتا ہے کہ لیٹ کر کھانا منع ہے لیکن یہاں پر عربوں کی مثال دی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہونگے۔ اس کی ایک وجہ تو شاید یہ ہے کہ عرب جنگجو قبائل تھے اور دوران محاذ وہ کبھی کبھی اس طرح سے کھانا کھالیتے تھے لیکن اُن کا یہ عمل کھانے کے ادب کے لحاظ سے مستحسن نہیں تھا۔اور حفظانِ صحت کی اصولوں کے مطابق بھی نہیں ہے۔اس سے ایک اور نکتہ بھی ظاہر ہے کہ ہلتی ہوئی سواری میں کھانا صحیح نہیں ہے اسی وجہ سے اسلام میں اس طرح کے فعل کو مکروہ قرار دیا گیا ہے۔

کھانے کا پانچواں ادب ''نیت'' سے متعلق ہے کہ غذا کھانے سے پہلے بندوں کی نیت اللہ کی خوشنودی اور اسکی رضا ہونی چاہیے۔تب ہی وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرسکتا ہے۔کھانا کھاتے وقت اس سے لذت حاصل کرنا نہ ہو اس ادب سے وابستہ امام غزالیؒ کا اپنا نقطۂ نظر یہ ہے کہ کھانے میں نیت لازمی ہے اور اس کے ساتھ یہ ارادہ بھی کرلے کہ خوراک کم کھائے کیونکہ انسان کو شکم سیری سے بچنا چاہیے۔اور اپنی اس دلیل کو امام غزالیؒ علامہ شیبانی کے ایک قول سے ثابت کرتے ہیں۔''میں نے اسی (۸۰) برس تک اپنی خواہش کے مطابق کوئی چیز نہیں کھائی۔''(۱۴) اسی طرح سے ایک اور روایت میں ہے ''کھانے پر ہاتھ اس وقت بڑھاوے جب بھوک ہو اور شکم سیر ہونے سے پہلے ہاتھ کھینچ لے۔''(۱۵) روایات دیگر میں تحریر کرتے ہیں۔''جو شخص ایسا کرے گا وہ طبیب کا محتاج نہ ہوگا۔''(۱۶) امام غزالیؒ کے نزدیک یہ اس وجہ سے ضروری ہے کہ زیادہ کھانا انسان اور اشخاص سے انکی عقل اور سمجھ بوجھ کو کم کردیتا ہے۔دوسرے جسمانی طور پر سُستی آجاتی ہے۔جس وجہ سے نہ صرف کام کرنے کی استعداد متاثر ہوتی ہے بلکہ روزمرہ کاموں میں بھی پریشانی ہونے کے ساتھ ساتھ ذہنی کارکردگی کو بھی نقصان پہنچتا ہے انسانوں کے دونوں طرح کے نظاموں یعنی جسمانی اور اعصابی افعال کی درست کارکردگی کا انحصار متوازن خوراک پر ہوتا ہے اسی وجہ سے اس معاملے میں غذا کی لذت سے زیادہ اس کی افادیت پر زور دیا گیا ہے۔

کھانے کا چھٹا ادب یہ ہے کہ آدمی کو جو رزق موجود ہے اس پر راضی رہنا چاہیے۔اس ادب کے تحت توکل اور قناعت کا حکم اور بے جا اسراف سے منع کیا گیا ہے۔امام غزالیؒ تحریر کرتے ہیں۔ابنِ جوزی سے روایت ہے ''روٹی کی تعظیم یہ ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اس کے لیے سالن کا انتظار نہ ہو۔''(۱۷) کیونکہ رزق کا احترام یہ ہے کہ جب کھانا سامنے ہو تو سارے کام چھوڑ کر پہلے رزق کو کھایا جائے۔

کھانے کا ساتواں ادب یہ ہے کہ کھانے پر بہت سے ہاتھ ہوں، اس کا مطلب ہے کہ کوشش کرنی چاہیے کہ کھانا مل جل کر اور اپنے خاندان کے لوگوں کے ساتھ کھایا جائے امام غزالیؒ نے حدیث سے واضح کیا ہے کہ ''اپنے کھانے پر مجتمع ہو یعنی مل کر کھاؤ تمہارے لیے برکت ہے۔''(۱۸) اس حدیث سے سماجی پہلو کی جانب اشارہ ملتا ہے کہ جب لوگ اکٹھے ہوتے ہیں چاہے وہ کچھ دیر کھانے کی غرض ہی سے ہوں تو وہ آپس میں ایک دوسرے سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے ہیں اس کا فائدہ انفرادی واجتماعی یہ ہوتا ہے کہ خانگی مسائل سے لے کر معاشرتی وسیاسی مسائل تک سے نمٹنے کے لیے تدابیر تلاش کی جاتی ہیں۔ایک دوسرے سے ہمدردی سے پیش آیا جاتا ہے۔اور اس کا نتیجہ خانگی وسماجی روابط کی مضبوطی اور تعلق کے خلوص کو ظاہر کرتا ہے۔اس ادب کا خیال رکھنے کا ایک اور نکتہ معاشی مسائل سے نمٹنا بھی ہے یعنی خاندان کے لوگوں کا آپس میں ایک ساتھ مل کر کھانا کم خوراک کو بھی پورا کر دیتا ہے اور ضائع ہونے سے بچ جاتا ہے کیونکہ کھاتے ہوئے ایک دوسرے کا خیال رکھا جاتا ہے۔کھانے کے اس ادب کا موازنہ اگر آج کھانے کے طور طریقوں سے کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم جو آج اپنے آپ کو بہت تہذیب یافتہ کہتے ہیں ہمارے اندر ایک دوسرے کی بھوک کا خیال کرنے کا احساس ختم ہو چکا ہے۔اور انفرادی کھانے کی صورت میں اور محافل ومجالس کی صورت میں ہر شخص صرف اسی فکر میں مبتلا ہوتا ہے کہ بس اُسے سب سے زیادہ کھانا مل جائے بھلے ہی باقی سب چاہے بھوکے رہ جائیں۔اس طرح چند افراد کے علاوہ یہ رویہ عام ہو چکا ہے۔(اور ہمارے سماج ومعاشرے میں ایک سوالیہ نشان ہے)

مندرجہ بالا کھانے کے آداب کے علاوہ امام غزالیؒ نے چند ایک تعظیمی طریقے بھی بتائے ہیں جو دورانِ کھانا اور کھانے کے بعد سرانجام دیئے جاتے ہیں جیسا کہ کھانا شروع کرتے ہوئے ''بسم اللہ'' پڑھنا۔اور آخر میں الحمدللہ یا شکراً اللہ (اللہ کا شکر ہے) کے جملوں کا استعمال کرنا اسی طرح سے یہ بھی احکام ادب میں آتا ہے کہ خوراک کو چبا کر اور چھوٹے چھوٹے لقموں میں کھانا چاہیے۔دورانِ کھانا کسی کھانے کی برائی نہ کرے۔کھانا ختم ہونے کے بعد میوہ (یعنی پھل اور خشک میوہ) کھائے۔اگر کھانے میں میٹھا (عبارت میں لفظ چاشنی ہے) مل جائے تو اُسے بھی کھائے۔کھانے کی تعظیم یہ بھی ہے کہ روٹی کو تعظیماً ہاتھ سے توڑ کر کھانا چاہیے۔چاقو یا کسی بھی کاٹنے والے آلے کی مدد سے کاٹنا نہیں چاہیے۔اسی طرح سے گوشت کو ہاتھ سے توڑا جائے یا پھر دانت سے الگ کیا جائے چاقو وغیرہ کا استعمال درست نہیں (اگر کسی گوشت کے بڑے ٹکڑے کو چھری یا کانٹے سے کاٹ لیا جائے تو حرج نہیں، مدیر)۔کھانے کے تعظیمی ضمن میں یہ بھی ہے کہ بہت زیادہ گرم کھانا نہیں کھانا چاہیے۔امام غزالیؒ نے ایک حدیث کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔''گرم کھانے پر پھونک نہ مارے اور کھانے کے بعد جب تک انگلیاں نہ چاٹ لے رومال سے یا اشنان سے ہاتھ نہ دھوئے اور نہ پونچھے۔''(۱۹) اسی طرح سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روایت دیگر بیان کی ہے ”اور کھانے کے دوران پانی آرام سے پینا چاہیے۔کھانے کے بعد خلال کرنا یا دانت صاف کرنے چاہیے“ (۲۰)۔یہ تمام وہ آداب ہیں جو آج بھی ہمارے معاشرے کا حصہ ہیں بلکہ نا صرف ہمارے معاشرے کا بلکہ دنیا کی تہذیب یافتہ اقوام وہ چاہے مغرب کی ہوں یا مشرق کی اُن میں بھی رائج ہیں اور ان میں سے ہر تعظیمی ادب اپنے پیچھے چند ایک طبی خصائص اور سماجی اخلاقیات رکھتا ہے۔جو انسانی صحت کے ضامن ہیں اور جب فرد واحد ان تمام عادات کو اپنائے گا تو آہستہ آہستہ یہ عادات سماج کو منتقل ہو کر صحت مند معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کریں گے۔مندرجہ بالا متن میں جو قواعد وضوابط اور آداب تحریر کیے وہ مشترکہ آداب کے دائرے میں آتے ہیں لیکن اس کے علاوہ بھی چند ایک آداب ہیں جو کھانے کا طریقہ بدل جانے کی وجہ سے مشترکہ آداب سے جدا ہوتے ہیں مثلاً محافل میں کھانے کے آداب یا دعوتی کھانے کی صورت میں جن اخلاقیات کا خیال رکھنا چاہیے تاکہ دوسروں کو برا محسوس نہ ہو ان آداب کا تذکرہ بھی عبادت زیریں میں کیا گیا ہے۔

کھانے کے آداب محفل:

امام غزالیؒ کے مطابق مجلسی آداب بھی تقریباً سات ہیں۔محفل کا پہلا ادب یہ ہے کہ ”اگر کوئی شخص عمر رسیدہ یا معاشی و معاشرتی لحاظ سے مرتبے میں زیادہ ہے تو اُس کا انتظار کیا جائے۔“ (۲۱) یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی بھی شخص میزبان سے عمر میں یا رشتہ میں یا کسی اور لحاظ سے مثلاً ریاست کا کوئی اہم شخص ہے مثلاً علما، فقہا یا وزیر امیر یا اسی لحاظ سے دوسرے اشخاص تو ایسی صورت میں میزبان کو اُس شخص کا انتظار کرنا چاہیے۔اسی ادب کے متعلق امیر بن کیکاوس نے قابوس نامہ میں تحریر کیا ”مہمانی کا حق وہ جانتا ہے جو حق شناس ہو۔“ (۲۲) اسی ادب سے منسلک دوسرا نکتہ ہے کہ ’اگر میزبان کسی لحاظ سے بلند مرتبہ ہے یا بزرگ ہے تو ایسی صورت میں وہ اپنے تمام مہمانوں کا انتظار کرے۔‘ (۲۳) محافلی آداب میں میزبان اور مہمان دونوں ہونے کی صورت میں ان بنیادی پہلوؤں کی جانب توجہ دلائی گئی ہے کہ اگر آپ صاحب حیثیت اور بلند مرتبہ ہیں تو ایسی صورت میں اپنے تمام مہمانان کا انتظار کرنا فرض ہے۔چاہے وہ امرا، روسا یا پھر فقرا میں سے ہوں اور جب تمام مہمان جمع ہو جائیں تو ان لوگوں کو کھانا کے لیے زیادہ انتظار نہیں کرانا چاہیے۔

محفل کا دوسرا ادب یہ ہے کہ کھانے کے وقت خاموش نہیں رہنا چاہیے۔بلکہ اپنے مہمانوں سے بات چیت کرنی چاہیے۔اس ادب سے متعلق امام غزالیؒ سے روایت ہے۔”کھانے کے وقت خاموش نہ رہیں کیونکہ یہ عجمیوں کی عادت ہے بلکہ عمدہ گفتگو کرے زیادہ بہتر ہے کہ اصلاحی روایت بیان کرے۔“ (۲۴) ایک اور پیغام اس عبارت سے ملتا ہے کہ میزبان کو اپنے مہمان سے خوش خلقی برتنی چاہیے اور گفتگو کرنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ مہمان میزبان سے بے تکلف ہو جائے اور کھانا کھاتے ہوئے کسی بھی قسم کی شرمندگی یا گھبراہٹ محسوس نہ کرے۔اسی ادب سے متعلق ایک نصیحت بادشاہ نوشیروان عادل نے اپنے بیٹے کو بھی کی تھی جیسے امیر بن کیکاوس نے تحریر کیا ہے ”دستر خوان کے کنارے بیٹھے ہوئے لوگوں کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بات چیت بھی کرنی چاہیے لیکن اسطرح کہ ہمیشہ سر جھکا کر اور لوگوں کے نوالوں کی طرف مت دیکھے۔''(۲۵)

امام غزالیؒ کے مطابق محفل کا تیسرا ادب یہ ہے کہ ''پیالے میں اپنے رفیق کے ساتھ نرمی برتے۔''(۲۶) اس سے مراد یہ ہے کہ اگر دو لوگ ایک ہی برتن میں کھانا کھا رہے ہیں تو ایک دوسرے کا خیال رکھیں اور جس قدر دوسرا شخص کھائے اس سے زیادہ کھانے کی کوششیں نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ بچانا چاہیے اس قسم کے طور طریقوں سے اور اپنے ساتھی کو اپنے اوپر ترجیح دے کر کوششیں یہ کرنی چاہیے کہ وہ زیادہ کھائے اسی مقصد کا امام غزالیؒ نے اس جملے سے واضح کیا ہے۔ ''اور ایک ساتھ دو خرمے (کھجور) نہ کھائے۔''(۲۷) لیکن اگر محفل میں تمام لوگ اسی طرح سے کھائیں تو اسطرح کھانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر اس نکتے پر غور کیا جائے تو اس میں سب سے بڑا سماجی مقصدیت کا راز پوشیدہ ہے اور وہ ہے ''رواداری'' کیونکہ یہ اخلاقیات کا تقاضا ہے کہ اگر آپ کسی کے ساتھ شریک ہو کر کچھ کھاتے یا پیتے ہیں تو اس صورت میں ایک دوسرے کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے اور دوسرے ساتھی کو اگر محسوس ہو کہ وہ تکلف کر رہا ہے تو اُسے ترغیب بھی دینی چاہیے۔ لیکن بہت زیادہ اصرار نہیں کرنا چاہیے اسی ضمن میں امام غزالی ایک حدیث لکھتے ہیں ''کسی امر کے لیے تین بار کہا جاتا ہے اور تیسری مرتبہ کے بعد سوال نہ کرتے تھے۔''(۲۸) اس کے علاوہ ساتھ کھانے سے منسلک ایک تیسرا نکتہ یہ ہے کہ ساتھی کا خیال ضرور رکھا جائے لیکن کسی کو بھی قسمیں دیکر کھلانا صحیح نہیں۔ امام غزالیؒ تحریر کرتے ہیں ''کھانے میں قسم نہیں دینی چاہیے۔''(۲۹) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کے ہاں قسم دینے کا رواج تھا اور مہمان نوازی سمجھی جاتی تھی بہت زیادہ اصرار اور قسمیں دیکر کھانا کھلانا یعنی میزبان حتی الامکان میزبانی کے فرائض انجام دے لیکن اس قدر اصرار نہیں کرے کہ سامنے والا شخص شرمندہ ہو جائے۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ محفل میں شامل اشخاص کے ساتھ کوئی طبی مسئلہ ہو یا وہ کسی اور وجہ سے اجتناب برت رہے ہوں اور محفل کے تمام مندوبین کو اس سے آگاہ نہ کرنا چاہتے ہوں تو میزبان کے اصرار کی وجہ سے شرکا کو ذہنی کوفت ہو گی۔ آج بھی اگر سماجی رویوں کا باغور جائزہ لیا جائے تو بہت سے لوگوں کی عادت میں شامل ہوتا ہے قسمیں دے دے کر کھلانا اور وہ خاندان اُسے میزبانی کے اعلیٰ اصولوں میں گردانتے ہیں جبکہ اس کے برعکس اسلام میں منع ہے۔

محفل کے کھانے کا چوتھا ادب ہے کہ محافل میں یا مجلسی کھانے کی صورت میں نہ تو اس قسم کا رویہ اپنانا چاہیے کہ میزبان کو بار بار اصرار کی ضرورت محسوس ہو اور نہ ہی ایک دوسرے کے اپنی جانب متوجہ ہونے کی صورت میں آپ کھانا یا وہ چیز کھانی چھوڑ دیں جس کی آپ کو خواہش ہے اس ادب سے متعلق امام غزالیؒ نے تحریر کیا ''مجلس میں اس طرح کھانا کھائے کہ رفیق کو ضرورت نہ ہو یہ کہنے کی کہ اور کھاؤ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ خیال ہونا چاہیے کہ دوسرے کے اپنی طرف دیکھتے ہی ایسی چیز چھوڑ دے جس کی اُسے طلب ہو۔ عربوں کے ہاں یہ تکلف سمجھا جاتا تھا۔''(۳۰) اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان تنہا کھانا کھائے یا کسی کے ساتھ بیٹھ کر یا پھر چند اشخاص اکٹھا ہو کر کھائیں اور کوشش یہ کرنی چاہیے کہ لوگوں کو اسکی تواضع کے لیے بہت اصرار نہیں کرنا چاہیے اسی ادب کو امام غزالیؒ نے دوسرے انداز سے بھی بتانے کی ضرورت محسوس کی اور شہاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے روایت کرتے ہیں ’’آدمی کی محبت دوسرے شخص سے اچھی طرح جب معلوم ہوتی ہے جب اس کے گھر جا کر اچھی طرح کھانا کھاوے۔‘‘(۳۱) اس روایت کو پیش کر کے امام صاحب نے یہ بھی واضح کر دیا کہ بے تکلف دوستوں یا ایک دوسرے رشتہ داروں کے ہاں بہت زیادہ تکلف نہیں کرنا چاہیے تاکہ میزبان کو اپنے مہمان سے شرمندگی محسوس نہ ہو۔ کیونکہ بعض دفعہ بہت زیادہ تکلف بھی زیادہ اصرار کی طرح کبھی کبھی مہمان اور بعض مرتبہ میزبان کی شرمندگی کا باعث بن جاتا ہے اور اسلام میں ان رویوں کو پسند نہیں کیا گیا۔

محفل کے کھانے کا پانچواں ادب ہاتھ دھونے اور کلی سے متعلق ہے۔ امام غزالیؒ کے مطابق 'ایک ہی طشت میں ہاتھ دھوتے ہوئے اور کلی کرتے ہوئے احتیاط کرنا چاہیے تاکہ اس فعل سے دوسرے لوگوں کو کراہیت نہ ہو اور اگر مجمع میں شامل اشخاص احتراماً طشت کو آپکی جانب بڑھاویں تو انکار نہیں کرنا چاہیے (اسلامی نقطۂ نظر سے تعظیم اللہ کراتا ہے) اور انکار نہیں کرنا چاہیے'(۳۲) اس ادب سے متعلق امام غزالیؒ نے ابن مسعود کی ایک اور روایت نقل کی ہے ’’ایک ہی طشت میں سب مل کر ہاتھ دھویا کرو اور عجم کی عادات اختیار نہ کرو۔‘‘(۳۳) اس ادبی رویئے سے جہاں رواداری اور ایک دوسرے سے حسنِ سلوک کے بارے میں معلوم ہوتا ہے وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام غزالیؒ نے کیونکہ عربی و عجمی دونوں درباروں کو دیکھا تھا سو جہ سے انہیں دونوں معاشروں کے تمدنی طرز معلوم تھے اس عبارت سے ایک اور پہلو جو سامنے آیا وہ ہے تہذیبی فرق کیونکہ عجم میں اسلام آنے کے بعد بھی تکلفات اور آداب وہی پرانے ساسانی دور کے موجود تھے جبکہ اس کے برعکس عرب ایک صحرائی علاقہ اور پانی کی قلت ہونے کی وجہ سے یہاں کے لوگوں کا بودوباش سادہ تھا اسی وجہ سے یہ اصول بنایا گیا اور اُسے محفل کے آداب کا حصہ قرار دیا گیا۔ عبارت بالا میں ایک اور نکتہ معاش بھی چھپا ہوا ہے اور وہ معاشی فرق ہے۔ جیسا کہ اگر عجمی علاقوں یا وسط ایشیا کے جغرافیہ کو دیکھا جائے تو یہاں کی کچھ ریاستیں اور خاص طور سے وہ حصہ جو فارس کہلاتا تھا قدیم دور سے ہی معاشی طور سے مستحکم تھا یہاں کے بادشاہوں سے لے کر عوام تک عیش و عشرت سے زندگی گزارنے کے عادی تھے کیونکہ فارس نہ صرف دولت کے لحاظ سے بلکہ سیاست و طاقت کے لحاظ سے بھی طاقتور اور مستحکم علاقہ تھا۔ جبکہ اس کے برعکس عرب میں سرداروں کے پاس دولت تو تھی لیکن کیونکہ زمین ریگستانی تھی اور صحرائی علاقہ تھا اس وجہ سے ان کا رہن سہن سادہ تھا اور اسلام آنے کے بعد تو اور سادہ انداز رہن سہن اپنایا گیا تھا۔ لیکن عجمی لوگ اس طرزِ عمل سے واقف نہیں تھے۔ (عرب میں اسلام سے پہلے یمن، بحرین، غساسنہ کے رؤسا اور سردار عیش و عشرت کے تکلفات میں بہت سے اہلِ عجم سے آگے تھے۔ نجد و حجاز میں بھی عیش و عشرت کی زندگی گزارنے والے لوگ تھے۔ اس لیے یہ استدلال صحیح نہیں ہے کہ عرب کے جغرافیائی حالات کے سبب رسول اللہ ﷺ نے سادگی اختیار کی تھی۔ ایک طشت میں ہاتھ دھونا ضروری نہیں، خصوصاً صفائی کے لحاظ سے، اسی طرح ایک طباق میں کھانا سنت ہے، فرض نہیں ہے۔ مدیر)

محفل کے کھانے کا چھٹا ادب پانچویں تعظیمی ادب سے منسلک ہے یعنی ہاتھ دُھلانے سے متعلق ہے امام غزالیؒ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطابق ''جو خادم ہاتھ پر پانی ڈالے بعض لوگوں کے نزدیک بیٹھ کر ہاتھ دُھلانا اور بعض کے نزدیک کھڑا رہنا قابل تعظیم ہے۔'' (۳۴) یہاں موضوع بحث ہاتھ دھلانے کا طریقہ ہے کیونکہ عہدِ وسطیٰ میں گھر آئے مہمان کی عزت افزائی یہ سمجھی جاتی تھی کہ میزبان کھانے سے پہلے مہمان کے ہاتھ دھلوائے۔ دوسرے بادشاہت اور شہنشاہیت نے اس ادبی و تعظیمی طرز کو اور زیادہ فروغ دیا اور اسلامی ریاستوں میں بھی یہ رواج عام ہو گیا کہ صاحب ثروت افراد کے ہاں اُن کے خدمت گار یہ خدمت سرانجام دینے لگے۔ اسی ضمن میں آگے امامؒ صاحب نے تحریر کیا ''یہ طریقہ کار عربوں کے ہاں ابتدا میں نہیں تھا'' (۳۵)۔ اسی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کے ہاں یا اُنکے معاشرے میں یہ پرتکلف ادب نہیں تھا۔ بلکہ خلافتِ راشدہ میں بھی ہمیں اس ادب کا رواج باقاعدہ ہوتا ہوا نظر نہیں آتا۔ اس عبارت سے جو تاریخی حقائق جھلکتے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں یہ کھانے کے آداب کا قرینہ اموی دورِ حکومت میں اپنایا گیا اور یہ رومی اور فارسی تہذیب سے عربوں کے ہاں پہنچا۔ اموی عہد میں جہاں بہت سے رسم و رواج دوسری تہذیبوں اور ثقافتوں کے ملاپ کی وجہ سے اپنائے گئے اُن ہی میں ہاتھ دُھلائے جانے کا ادب بھی اپنایا گیا۔ اس کا ثبوت ہمیں سلطنت دھلی (ہندوستان) سے ملتا ہے جہاں باقاعدہ اس خدمت کے لیے جو عہدے دار مقرر کیئے جاتے تھے انہیں 'طشت دار' کہا جاتا تھا۔

محفل کے کھانے کا ساتواں ادب بھی ادب بالا سے پیوستہ ہے یعنی کھانا کھاتے ہوئے ایسی حرکات وسکنات پر قابو رکھنا چاہیے جس کی وجہ سے دوسرے ساتھیوں کو گھن آئے یا سامنے والا کراہیت کرے۔ جیسے کھانے کے بعد ہاتھ کو پیالے میں دھونا یا منہ سے اس طرح سے کچھ باہر نکالنا کہ سامنے والے یا آس پاس کے ساتھیوں کو اچھا محسوس نہ ہو۔ امام غزالیؒ نے علامہ طبری سے روایت کی کہ ''جو ٹکڑا دانت سے کترا ہوا سے شوربے میں ڈالے اور سرکے میں نہ ڈالے اور نہ ہی ایسی باتیں کرے جن سے گھن آوے۔'' (۳۶) اس متن کا مطلب یہی کہ ایک ہی نوالے کو ایک ساتھ مختلف کھانے کی اشیا میں نہیں ڈالنا چاہیے اور خاص کر ایسی اشیا جو سلاد یا سرکہ، چٹنی وغیرہ ہوتی ہیں اور تمام شرکا محفل ان میں شریک ہوتے ہیں۔ ان ادبی قاعدوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ وسطیٰ میں اس طرح کے طرز اپنانا تہذیب یافتہ ہونے کی علامت تھے۔ عملی طور پر آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اچھے خاندان یا سماج کے درمیانے طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد ان آداب کا بہت خیال رکھتے ہیں۔

ان آدابِ مجلس کے ساتھ ہی چند ایک اصول اور بھی ہیں اور وہ ہیں محفل میں کھانا پیش کرنے کے طریقے۔ جن کو امام غزالیؒ ان عبارت زیریں میں روایت کرتے ہیں۔ ''اپنے بھائی مسلمانوں کے سامنے کھانا پیش کرنے کا بہت ثواب ہے۔'' (۳۷) ایک اور جگہ امام حسن بصریؒ سے روایت کرتے ہیں۔ ''آدمی جو نفقہ اپنے اوپر اور اپنے ماں باپ کے اور رشتہ داروں پر صرف کرتا ہے اسکا حساب کتاب یقیناً لیا جائے گا۔ مگر جو نفقہ کہ برادرِ دینی پر کھانے میں اُٹھاتا ہے اس کا حساب نہ ہوگا۔ روایت دیگر کو امام غزالیؒ علما خراسان کے مطابق تحریر کرتے ہیں۔ وہ اپنے ملنے والوں کے سامنے بہت سا کھانا پیش کرتے تھے اور سفر میں عمدہ توشے کا ہونا اور اپنے دوستوں کے لیے خرچ کرنا آدمی کے کرم میں سے ہے۔'' (۳۹) درج بالا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مندرجات سے دو تین اہم سماجی پہلوؤں کے متعلق معلومات فراہم ہوتی ہے پہلا یہ کہ اس میں سماجی روابط کی بے تکلفی جھلکتی ہے اور ایک دوسرے کو مزاجاً مختلف ہونے کے باوجود برداشت کرنے کی عادت بھی ہوگی جو سماجی روابط اور ترقی کے لیے بہت ضروری ہے دوسرے ایک دوسرے کے ساتھ مل بانٹ کر اور کھانے کو ضائع ہونے سے بچانے کی حکمت بھی ملتی ہے۔ کیونکہ جب آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ملیں گے تو ایک دوسرے کے مسائل اور اس کے ساتھ ہی دنیا میں جو تبدیلیاں معاشی اور معاشرتی سطح پر واقع ہو رہی ہیں اُن سے واقفیت ہوگی اور مختلف طرح کی غذائی اشیا اور مشروبات ایک دوسرے کو کھانے کو مل جائیں گے۔

ضیافت کے آداب:

کھانے کے قواعد وضوابط میں ضیافتی آداب بھی اپنا خاص مقام اور اہمیت رکھتے ہیں امام غزالیؒ نے کھانے کے ضیافتی آداب کو درجہ بندی کے لحاظ سے چھ آداب میں تقسیم کیا ہے اور وہ مخصوص آداب یہ ہیں۔ دعوت قبول کرنا، دعوت کھانے کے لیے آنا، کھانا پیش کرنا، دعوتی کھانا کھانا، دعوتی کھانے کھا کر لوٹ جانا اور دعوت کرنا۔

اس تحقیق میں ان آداب کی ترتیب ذرا بدل دی گئی ہے ضیافتی آداب کے جس ادب پر پہلے گفتگو کی گئی وہ ہے ’دعوت کرنا‘ امام غزالیؒ تحریر کرتے ہیں حدیث میں ہے ’’مہمان کے لیے تکلف مت کرو کہ تکلف کرو گے تو اُسے برا جانو گے اور جو شخص مہمان کر برا جانتا ہے وہ اللہ کو برا جانتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کو برا جانتا ہے اللہ اُس کو برا جانتا ہے‘‘ (۴۰)۔ اس حدیث سے جو سبق ملتا ہے وہ یہ کہ مہمان نوازی کا قاعدہ مہمان سے خوش اخلاقی سے ملنا ہے۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی پوشیدہ ہے کہ اگر کسی کے گھر کوئی صاحب ثروت مہمان آجائے تو میزبان بہت زیادہ اشیائے خورد ونوش کے انتظام سے پریشان ہو جائے گا اور مہمان کے آنے پر غصہ آئے گا اور یہی بات آج معاشرے میں عام ہے کہ اگر کوئی مہمان آجائے تو میزبان بے جا اسراف کرتے ہیں حالانکہ اس مہمان نے بہت زیادہ کچھ بھی کھانا نہیں ہوتا ہے اور بہت سی اشیا ضائع ہو جاتی ہیں نیز برا بھی مناتے ہیں کہ بغیر بتائے کیوں آگئے وغیرہ اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ حال میں دعوتوں کو بے جا نمود ونمائش کا ایک ذریعۂ بنالیا ہے دوسرا سبب یہ ہے کہ ان دعوتوں کا مقصد اور سماجی روابط کو صحیح معنوں میں سمجھا نہیں گیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوتی کھانے کا اصل مقصد انسان کے انفرادی واجتماعی مزاجوں کی درستگی ہے۔ نیز ایک دوسرے کا خیال اور اسلامی نقطۂ نظر سے دین کی با مقصد گفتگو بھی تھا۔ مثال کے طور پر دعوت ذوالعشیرہ کا واقعہ۔

دوسرا ضیافتی ادب ’’دعوت کو قبول کرنا‘‘ ہے۔ یہ ادب، ادب بالا سے ملتا ہے کیونکہ دعوت اسی وقت کی جاتی ہے جب آنے والا تیار ہو۔ امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ حدیث میں ہے ’’دعوت کو قبول کرنا واجب عمل ہے دین کا۔‘‘ (۴۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسلامی تعلیمات کا حصہ ہے کہ اگر کوئی بھی شخص بصد خلوص بلائے تو اُس کی دعوت کو قبول کرنا اخلاقیات میں شمار ہوتا ہے۔ اس احکام سے وابستہ ایک امر سماجی بھی ہے اور وہ ہے مہمان کا ذہنی اطمینان۔ کیونکہ اگر ضیافت کا مقصد کوئی علمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گفتگو کرنا یا کوئی پیغام لوگوں تک پہنچانا ہے تو ایسی صورت میں تمام مہمانان کا ذہنی طور پر اطمینان سے ہونا ضروری ہے تاکہ وہ تمام تر ذہنی توجہ سے مباحثے اور مناظرے سنیں اور انہیں اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ جانے کی جلدی نہیں ہو۔ نیز عبارت دیگر میں امام غزالیؒ تحریر کرتے ہیں۔'اس طرح سے یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ دعوت کرتے ہوئے امیر کو بلایا جائے یا غریب کو بلکہ تمام افراد کو بلانا اور سب کے گھروں کو جانا چاہیے۔'(۴۲) اس تحریر سے طبقاتی فرق بھی نمایاں ہے کہ امام غزالیؒ کے دور میں ہونے والے ضیافتی اہتمام طبقاتی لحاظ سے کیے جاتے تھے اور یہ طریقہ اسلامی مساوات کے خلاف تھا۔ اسی ادب سے متعلق آگے امام غزالیؒ ان الفاظ میں حدیث بیان کرتے ہیں۔''آنحضرتؐ نے فرمایا تمام غلام و مسکین اور تونگروں کی دعوت قبول کرنی چاہیے۔''(۴۳) روایت دیگر میں تحریر کرتے ہیں''ثرید کا انتظار نہ کرے۔''(۴۴) (یہاں پر اہل علم نے 'ثرید' سے مراد بہترین غذا لی ہے جبکہ عربوں کے ہاں 'ثرید' گوشت میں روٹی چور کے کھانے کو کہتے تھے)۔ان روایات کی روشنی میں ایک جھلک عرب معاشرے کی ملتی ہے کہ اُن کے ہاں ثرید کھانوں میں بہترین کھانا تھا کیونکہ ہر معاشرہ و سماج مختلف غذائی تقسیم اور ذائقہ رکھتا ہے۔ دوسرے ان روایات سے دعوت کا بنیادی مقصد سماجی روابط، خاندان، رشتہ داروں، اور اقربا کی خبر گیری اور میل میلاپ کے ساتھ ساتھ دینی و سماجی، علمی و فکری پھیلاؤ بھی تھا۔

ضیافت کا تیسرا ادب دعوت کی قبولیت سے متعلق یہ ہے کہ فاصلے کا یا ذاتی تھکن کا احساس کر کے دعوت سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ اور یہ سوچ کر بھی انکار نہیں کرنا چاہیے کہ بلانے والا عزیز ہے یا غیر ہے۔ اسی ضمن میں امام غزالیؒ نے ابوسعید خزری سے روایت کی''توریت یا کسی دوسری آسمانی کتاب میں ہے کہ ایک کوس چل کر مریض کو پوچھ، دو کوس چل کر جنازہ کے ہمراہ ہو، تین کوس چل کر دعوت کو منظور کر، چار کوس چل کر بھائی کی ملاقات کر جو بھائی چارہ فی اللہ رکھتا ہو اور بھائی کی ملاقات کو اس وجہ فضیلت ہے کہ زندہ کا حق ادا کرنا ہے جو مردہ کی نسبت اولیٰ ہے۔''(۴۵) اس ایک روایت سے ہی امام صاحب نے دعوت کو قبول کرنے کی اہمیت کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ اس طرف بھی توجہ دلائی کہ اسلامی فکر کے مطابق جو مذہبی اجتماعات ہوتے ہیں اُن کی سماج میں بہت زیادہ اہمیت ہے دوسرے اعلیٰ اخلاقی اقدار میں سے ایک اقدار ہے دعوت کا قبول کرنا۔

ضیافت کا چوتھا ادب، جگہ سے متعلق ہے کہ جب دعوت کی غرض سے کسی کے گھر جایا جائے تو جہاں میزبان اپنے مہمان کو بیٹھا دے اُسے وہیں بیٹھنا چاہیے اور میزبان کے گھر کے مختلف حصوں کا جائزہ نہیں لینا چاہیے۔ یہ اخلاقی آداب کے خلاف ہے۔ امام غزالیؒ نے اس اخلاقی ادب کی ابن ماجہ کی ایک روایت سے وضاحت کی ہے۔''جس کوٹھری میں عورتیں ہوں اور پردہ پڑا ہو تو اس دروازے کے سامنے نہ بیٹھے اور جہاں کھانا اُترتا ہو وہاں بہت نہ تاکے یہ دلیل حرص اور بے صبری ہے۔''(۴۶) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ادب اور اصول اسلامی شرعیہ کے تحت پردے کے احکامات کے سلسلے میں ہے لیکن اس کا ایک اور پہلو سماجی اخلاقیات سے وابستہ ہے ایسے معاشرے جہاں خواتین دائرے احترام میں شامل ہوں وہاں اس قسم کی حرکت معیوب محسوس ہوتی ہے اسی طرح بہت زیادہ میزبان کے گھر اور اُس کے گھر کی دوسری اشیا کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بارے میں اعتراضات کو منع کیا گیا ہے۔اس ادب کا اگر آج بیسویں، اکیسویں صدی سے تجزیہ کیا جائے تو اب یہ اقدار تنزل کی جانب رواں دواں ہیں اور چند ایک گھرانوں کو چھوڑ کر دوسرے کی شخصیت سے لے کر اُس کے رہن سہن پر تنقید کرنا ایک عام رجحان بن رہا ہے۔

ضیافت کا پانچواں ادب کھانے کو پیش کرنے کے بارے میں ہے یعنی کہ جب مہمان آ جائیں تو کھانا پیش کرنے میں خواہ مخواہ دیر نہیں کرنی چاہیے اور کھانا جلدی لگا دینا چاہیے۔علامہ شبلی تحریر کرتے ہیں،’’بس اس قدر ضرور خیال رکھنا چاہیے کہ اگر کوئی شخص ’’غریب‘‘ ہے یا یہ معلوم ہو کہ اگر کھانا شروع ہو گیا تو کوئی مہمان اُسے اپنے نفس کی توہین سمجھے گا تو انتظار کرنا بہتر ہے بہ نسبت کسی انسان کی دل شکنی کرنے سے‘‘۔(۴۷) روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ میزبان کو اپنے تمام مہمانوں کی عزت نفس، خودداری کا خیال رکھنا چاہیے اور کوئی ایسا عمل سرانجام نہیں دینا چاہیے جس کی بدولت کسی بھی شخص کو ذلت محسوس ہو۔ نہ معاشی لحاظ سے اور نہ معاشرتی اور طبقاتی لحاظ سے درجہ بندی ہونی چاہیے۔ یہ اخلاقی اقدار اب جدید نظریاتی فروغ کی وجہ سے اب دعوتوں، ضیافتوں میں شاذ شاذ ہی دیکھنے کو ملتی ہے اسی ادب سے منسلک دوسرا اصول یہ ہے کہ اگر مختلف طرح کے پکوان ہوں جن میں نمکین، میٹھے اور سلاد وغیرہ شامل ہوں تو یہ ایک ساتھ دسترخوان پر رکھے جائیں اور اگر باری باری رکھے جانے ہوں تو میزبان کو اپنے تمام مہمانوں کو پکوان کی فہرست دینی چاہیے تا کہ وہ اپنی مرضی کا کھانا آنے پر سیر ہو کر کھائے۔امام غزالیؒ روایت کرتے ہیں ’’کھانوں میں ثرید افضل ہے۔‘‘(۴۸) اسی طرح علامہ شبلی نے علامہ ترمذی سے ایک قرآنی آیت تحریر کی ’’اور اتارا ہم نے تم پر من وسلویٰ۔‘‘(۴۹) (یہاں من سے مراد شہد اور سلویٰ سے مراد گوشت ہے) ان روایات سے عرب معاشرے کی عکاسی ہوتی ہے کہ عربوں کے ہاں یہ دونوں غذائی اشیا مشہور تھیں اور دعوتی اہتمام کا خاص حصہ بھی تھیں ایک اور امر یہ بھی سامنے آتا ہے کہ عرب صحرائی علاقہ تھا اور اناج، سبزیاں، دالیں وہاں عام طور پر دستیاب نہیں تھیں اور غذائی ضرورت کا زیادہ تر حصہ حیوانات کا گوشت تھا اور بود و باش کے لحاظ سے زیادہ تر لوگ گلہ بان تھے اسلیئے اُن کے دسترخوانوں میں گوشت لازمی جز تھا ضیافت کا۔جبکہ اس کے برعکس ہندوستان میں مختلف غذائیں کھائی جاتی تھیں جس کی ایک مثال ابنِ بطوطہ کے سفرنامے سے ملتی ہے۔’’ہندوستان میں معاش کی دال اور چاول کو ملا کر کھچڑی پکائی جاتی ہے اور یہ ہندوستانی ناشتے میں اس طرح سے کھاتے ہیں جیسے عرب، نہاری کھاتے ہیں۔‘‘(۵۰) دوسری اہم غذائی اشیا شہد تھا اسلام جب عجم اور ان جیسے دوسرے علاقوں تک پھیلا تب مسلمانوں کے لیے ’’گوشت‘‘ ایک علامتی حیثیت اختیار کر گیا مسلمان ہونے کی اور انتہا پسند مسلمانوں نے یا اسلام کے نام نہاد دعوے داروں نے اسے لوگوں کے اچھے اور برے مسلمان ہونے کی نشانی بنا دیا اور گوشت خوری کی عادت کو فخریہ اپنایا گیا اسکی مثال ہمیں جنوبی ایشیا میں سلاطین اور مغل حکمرانوں کی ملتی ہے جہاں بیشتر پکوان کی تیاری میں گوشت لازمی جز تھا۔ بلکہ ہندوستان میں عربوں کا طریقۂ مہمان نوازی اپنایا گیا کہ دعوت میں گوشت خاص طور سے رکھا جاتا حالانکہ ہندوستان ایک زرعی ملک ہے اور یہاں پر کھانے پینے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی دوسری اشیا مثلاً فصلی اناج سے لیکر سبزیاں وافر مقدار میں موجود تھیں اور آج بھی ہوتی ہیں۔اس ضیافتی ادب میں کھانا پیش کرنے کے حوالے سے ایک نکتہ یہ بھی سامنے آیا کہ امام غزالیؒ نے دربارِ شاہانہ کے دسترخوان بھی دیکھے اور امام الحرمینؒ کے مدرسے کا دسترخوان بھی دیکھا تھا جہاں کے ذرائع آمدن کم تھے اس لیے امام غزالیؒ نے روایت نقل کی ''بشرط کہ روٹی عمدہ اور پانی ٹھنڈا اور سرکہ چاشنی دار تمہارے پاس موجود ہوتا۔یہی چیزیں ضیافت کے لیے بہترین ہیں۔'' (۵۱) علامہ شبلی نے اس نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ''کھانا سادہ اور افادیت سے بھرپور ہو یہ اصل صحت کی علامت ہے۔'' (۵۲) علامہ شبلی نے سادگی کے زمرے میں افادی اہمیت کو اجاگر کیا ہے لیکن اگر خود غزالیؒ کی فکر پر بات کی جائے تو انہوں نے غذا کی سادگی پر جس انداز میں زور دیا ہے وہیں ایسے دسترخوان کا ذکر بھی دائرہ تحریر میں لے کر آئے جو اس زمانے میں خلفاء، امرا اور وزرا کا ہوتا تھا۔امام غزالیؒ نے عجمی دسترخوان کو بنی اسرائیل کے دسترخوان سے مثال دیکر سمجھایا ہے۔امام غذالیؒ نے تحریر کیا حدیث میں ہے۔''جو دسترخوان بنی اسرائیل پر اترا تھا اس میں گندم کے سوا بقولات تھے اور ایک مچھلی تھی جس کے سر کے پاس سرکہ اور دُم کے پاس نمک تھا اور سات روٹیاں تھیں اور ہر روٹی پر روغن زیتون اور دانۂ انار رکھا تھا۔'' (۵۳)

ضیافت کا چھٹا ادب دعوت سے واپس ہونے سے وابستہ ہے کہ جب دعوت ختم ہو تو مہمان کو کیسے رخصت کرنا چاہیے اور کن کن تعظیمی طریقوں کا خیال رکھنا چاہیے امام غزالیؒ نے ابوقتادہ سے روایت کو تحریر کیا ہے ''نجاشی بادشاہ کے قاصد آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے تو آپؐ بہ نفسِ نفیس ان کی خدمت کو اُٹھے اصحابؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم ان کی خدمت بجالاویں گے۔آپؐ نے فرمایا ایسا نہیں......مکافات کرونگا۔'' (۵۴) مہمان کی پوری تعظیم یہ ہے اور میزبان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے مہمان کو گھر بلانے سے لے کر اُس کے واپس جانے تک اچھے انداز میں اسے رخصت کرے۔

کھانے کے چند متفرق آداب:

امام غزالیؒ نے جس طرح کھانے کے آداب کھانا کھانے کی مختلف صورتوں میں پیش کیے ہیں اور انہیں سماجی اخلاقیات کا نمایاں حصہ تصور کیا ہے ویسے ہی کھانے کے اوقات سے متعلق چند ایک طبی خواص بھی بتائے ہیں جن کو اس تحقیق میں 'کھانے کے چند متفرق آداب' کے ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔اور یہ طبّی خواص انسانی صحت و تندرستی کے ضامن بھی ہیں۔امام غزالیؒ کے خیال میں یہ آداب کھانے کی اخلاقیات کا اہم پہلو ہیں ایسے ہی چند ایک غذائیں بھی اپنے اندر طبّی خواص رکھتیں ہیں۔ جیسا کہ امام غزالیؒ کے مطابق ''ناشتہ و کھانا اسلامی شرعی اوقاتِ کار کے مطابق کھانا چاہیے''۔(۵۵) روایت دیگر تحریر کرتے ہیں 'بازار میں کھانا کمینگی ہے۔'' (۵۶) ایک اور جگہ امام غزالیؒ لکھتے ہیں۔''اگر کوئی شخص بقا (دیر پائی) چاہے تو اس کو چاہیئے کہ صبح کا کھانا سویرے کھائے اور شام کو کم کھائے اور جوتا پہنے۔'' (۵۷) اس ضمن میں روایت دیگر کو حکیم سے نقل کرتے ہیں۔''حکیم نے اپنے لڑکے سے کہا کہ جب تک اپنی عقل ساتھ نہ لےلو تب تک گھر سے مت نکلنا۔'' (۵۸) ان روایات بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کے احکامات کے سلسلے میں ایسے قواعد وضوابط پر کاربند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہنا چاہیے جو انسانی صحت کو حفظانِ صحت کے اصولوں سے منسلک کرتے ہیں۔ دوسرے جو اوقاتِ کار مقرر کیئے گئے ہیں اُن کے مطابق ہی کھانا پینا چاہیے۔ یہ نہیں کہ جس وقت ملا یا جیسے چاہا کھا لیا بلکہ اعتدال و توازن ہر جگہ ضروری ہے امام صاحب کی تحریر کردہ پہلی روایت کو اگر باغور سمجھا جائے تو اس میں بازار میں کھانے سے منع فرمایا گیا ہے اس کے پیچھے یہ طبّی امر پوشیدہ ہے کہ آب و ہوا میں بعض اوقات مُضر صحت اثرات ہوتے ہیں جو بازار میں چلتے پھرتے کھانے سے غذا کے ذریعے جسم میں منتقل ہوتے ہیں اور بیماریوں کا باعث بنتے ہیں۔ اسی سے منسلک دوسرا پہلو اخلاقی ہے اور معاشی بھی کہ بازار میں مختلف طرح کے افراد کا گزر رہوتا ہے ان میں کوئی بہت بھوکا فاقہ زدہ بھی ہوسکتا ہے اور کوئی ایسا بیمار بھی جسے مختلف اشیائے خوراک منع ہوں یا بچوں کی مثال بہت عام فہم ہے کہ بچے ہوتے ہیں اور اُن کا دل ہر چیز کو دیکھ کر للچاتا ہے تو ایسی صورت حال میں حرص و ہوس و لالچ و طمع بڑھ جائے گا۔ جو نہ کھانے والے کے لیے صحیح ہوگا اور نہ دیکھنے والے کے لیے۔ دوسری اور چوتھی روایت میں کھانے میں اعتدال کا حکم ہے کہ صبح کا ناشتہ صبح سویرے اور اچھا کرنا چاہیے۔ صبح کا ناشتہ اس وجہ سے بھی ضروری ہے تاکہ کام کرنے کے لیے جسمانی نظام اور اعصابی نظام فعال ہوجائے اور بغیر تھکاوٹ کے تمام لوگ مکمل ایمانداری اور دیانت داری سے کام کریں۔ کیونکہ جسمانی کمزوری یا اعصابی تھکاوٹ انسان کی استعداد کو متاثر کر کے افعال کو سُست کر دیتی ہے اسکا سبب یہ ہے کہ بغیر ناشتہ گھر سے نکلنے کی وجہ سے انسان چڑ چڑا اور غصہ ور ہوجاتا ہے۔ یہ انفرادی رویہ اجتماعی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے اور مختلف طرح کی شخصیات کے ساتھ تعلقات کی نوعیت خراب ہوجاتی ہے۔ امام غزالی کے مطابق ''دوپہر میں کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر آرام (طبی زبان میں قیلولہ) کرنا چاہیے اور شام کا کھانا جلدی کھانا چاہیے۔''(۵۹) یہ وہ تمام اصولِ صحت ہیں جن کے متعلق آج بھی ڈاکٹر ہدایات دیتے ہوئے نظر آتے ہیں اس معلومات کی روشنی میں تحقیق یہ ثابت کرتی ہے کہ قدیم دور کے اطبا سے لے کر آج دور حاضر کے ڈاکٹرز تک انہی قواعد و ضوابط کے بارے میں ہدایت دیتے نظر آتے ہیں۔

کھانے کے آداب کا معاشرے پر اثر:

گزشتہ متن میں کھانا کھانے کے مکمل آداب کا جائزہ لیا گیا جس طرح سے کھانا کھانے کے آداب سے اقوام کے تہذیب یافتہ اور متمدن ہونے کے بارے میں معلومات فراہم ہوتی ہیں وہیں سماج کی معاشی اور طبی نقطۂ نگاہ سے صحت و تندرستی کے بارے میں بھی معلومات ملتی ہیں۔ کیونکہ اگر سماجی طور پر اقتصادی حالات اچھے ہوں تو وہاں کے لوگوں کا غذائی معیار اعلیٰ ہوگا اور ایک عام فرد بھی اچھی خوراک سے مستفید ہوگا جبکہ اس کے برعکس اگر سماج طبقاتی کشمکش کا شکار ہوں یا غربت زیادہ ہو تو ایک درمیانے درجے کے فرد کی خوراک بھی بہت سادہ اور کم قیمت اجناس پر مشتمل ہوگی۔ نیز معاشرے کے صرف ایک طبقے کو تمام مراعات حاصل ہونگی ایسی صورت حال میں جو نتائج سامنے آئیں گے وہ خطرناک ہونے ہیں کیونکہ ایسے معاشرے اور اقوام اندرونی ریشہ دوانیوں اور توڑ پھوڑ کا شکار ہوجاتے ہیں اور طبقہ ادنیٰ افراد کے اندر بے چینی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور طبقہء اعلیٰ سے متعلق نفرت انگیز جذبات جنم لیتے ہیں۔اس کی وجہ انسان کی نفسیات اور بنیادی ضرورتوں کا پورا نہ ہوتا ہے۔کیونکہ بھوک انسان کی بنیادی ضرورت ہے اوراس کے خاتمے کے لیے غذا کی فراہمی انسان کی زندگی کی پہلی ترجیح ایسے میں جب انسان اُس بھوک و افلاس پر قابو نہیں کر پا تا جبکہ دوسری جانب اسی سماج کا ایک طبقہ اعلیٰ زندگی اور اسکی سہولیات سے فائدہ اٹھا رہا ہوتا ہے تو دو قسم کے جذباتی رویئے نظر آتے ہیں اول قسم ان افراد کی ہوتی ہے جو اپنے آپ کو کمزور سمجھ کر خاموش بیٹھ جاتے ہیں جبکہ دوم قسم کے افراد جو جسمانی طور پر مضبوط یا جذباتی رجحانات کے مالک ہوتے ہیں وہ احتجاجاً لوٹ مار، چوری ڈکیتی اور بعض مرتبہ قتل تک کرنے سے دریغ نہیں کرتے اور یہ ہی احساسات سماجی زوال کا سبب بن جاتے ہیں آج کل کا پاکستانی معاشرہ اسکی مثال ہے جہاں دن بدن بڑھتے جرائم اس بات کی واضح علامت ہیں کہ معاشرے کے تمام طبقوں کو مناسب نمائندگی حاصل نہیں جبکہ اس کے برعکس ایسے سماج جہاں مذہبی رواداری، مساوات اور سماجی لحاظ سے تمام افراد برابر (بالکل برابر تو نہیں ہوسکتے) لیکن طبقات کے درمیان میں توازن ہو تو ایسے سماج اور سماجی رویئے انتہا پسندی کی جانب مائل نہیں ہوتے اور اجتماعی علامت کے طور پر انسانی کارکردگی مثبت طرز پر سامنے آتی ہے ایسے ہی معاشرے معاشی و معاشرتی لحاظ سے مضبوط ہوتے ہیں۔

جس طرح انسانی رویئے معاشروں، ملتوں اور اقوام کی تاریخ میں اہم ہوتے ہیں ویسے ہی طبیعات بھی ضروری عامل ہے انہی آداب سے معاشروں کے طبعی خواص پر بھی روشنی پڑتی ہے۔یعنی کہ سماج طبی لحاظ سے کتنا صحت مند ہے؟ ہر سال اوسطاً کتنے افراد بیمار ہوتے ہیں؟ کتنے اوسطاً موسمی بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں؟ اور کتنے مہلک امراض کا؟ مطلب یہ کہ غیر متوازن غذا اور کھانے پینے کے غلط اوقات کار انسانی صحت کو متاثر کرتے ہیں جو نہ صرف انسان کی صحت بلکہ اُسکی استعداد کار پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں کیونکہ امام غزالیؒ کے مطابق غذا کے بھی اپنے طبی خواص ہوتے ہیں جو انسان کی کارکردگی کے لیے ضروری ہیں امام غزالیؒ تحریر کرتے ہیں ''شہد، دودھ، خرما، مچھلی میں شفا ہے۔''(۶۰) لیکن یہ تمام اشیا اُسی وقت فائدہ مند ہونگی جب انہیں کھانے کے مقررہ وقت میں کھایا جائے اور ان تمام اصولوں اور اخلاقی آداب کا خیال رکھ کر ہی صحت مند معاشرے کی تشکیل ہوتی ہے۔

آج بھی بہت سے معاشرے ایسے ہیں جہاں یہ اخلاقی آداب اور قواعد وضوابط موجود ہیں اور ان ممالک میں بھوک و افلاس کی شرح کا تناسب وہ نہیں ہے جو پاکستان یا بوسنیا وغیرہ میں ہے مثلاً چینی معاشرہ، جاپانی معاشرہ وغیرہ وغیرہ ایسا نہیں کہ ان کے ہاں برائیاں نہیں ہیں لیکن برائی کے مقابلے میں اچھائی اور اخلاقی قدروں کی شرحِ تناسب زیادہ ہے جو آج پاکستانی معاشرے میں نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل مطالعہ:

اس تحقیق کا حاصل مطالعہ یہ سامنے آیا کہ انسان کی بھوک اور اس کے قواعد وضوابط کھانا کھانے کی اخلاقیات سے متعلق ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کھانا کھانے، پیش کرنے اور اُس سے پہلے کے آداب کا خیال ضرور رکھا جائے کیونکہ یہ آداب ہی انفرادی اور اجتماعی طور پر انسان اور اُس کی انسانیت کے عکاس ہوتے ہیں اور انسانی تمیز وتہذیب انہی طور طریقوں کا خیال رکھنے سے ظاہر ہوتی ہے۔ امام غزالیؒ کے ان آداب میں چند آداب طبعی نقطہ نگاہ سے انسانی صحت سے منسلک ہیں اور باقی انسان اور انسانی سماج سے۔ مثلاً جیسے ہاتھ دھونا یا کم کھانا ہے۔ اور بسم اللہ پڑھنا تو ایک مذہبی عنصر کا غالب ہونا بھی ہے۔ کیونکہ مسلمان اسلامی تعلیمات کے تحت ہر کام منجانب اللہ کرتا ہے اس وجہ سے کھانا وہ اللہ کی عبادت کے لیے کھاتا ہے۔ لیکن ہم اس کے برعکس اس قاعدہ کا تجزیہ کریں تو یہ مذہبی عنصر یوں بھی شامل کیا گیا تاکہ انسانوں کے اندر جذبہ توکل اور شکر گزاری بڑھ سکے اور لوگ اپنے حال پر قناعت کر سکیں اور حرص وحوس سے بچ سکیں۔ ہاتھ دھونا یہ صحت وصفائی کا ضامن ہے دوران کام انسان مختلف چیزوں کا استعمال کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کے ہاتھ پر کیمیکل اور دوسرے جراثیم لگ جاتے ہیں اور یہ جراثیم انسانی صحت کے کے لیے نقصان دہ ہوتے ہیں اور انسانی صحت متاثر ہو سکتی ہے۔ اس لیے نہ صرف ہاتھوں کی صفائی بلکہ غذا کی پاکیزگی اور اس کے جائز اور حلال ہونے کا نظریہ بھی معاشرتی اصلاح کے لیے ضروری ہے۔

یوں تو ہر قوم اپنے اپنے آب وہوائی نظام کے تحت خوراک کھاتی ہے سرد ممالک کے رہنے والے گرم اشیا کا استعمال کرتے ہیں اور گرم خطوں کے رہنے والے سرد اشیا کا استعمال کرتے ہیں جیسے سلاجیت ہوتا ہے (ایک سیاہ مادہ جو بطور دوا استعمال ہوتا ہے)۔ پاکستان میں اسکردو، کشمیر، کاغان اور ناران وغیرہ کے لوگ سردیوں میں ایک چٹکی سلاجیت پورے موسم میں ایک دفعہ ضرور استعمال کرتے ہیں تاکہ ان کے جسم میں خون کی حدت برقرار رہے اور باہر کی ٹھنڈی ہواؤں کے مقابلے میں جسم کو مدافعت فراہم کر سکے جبکہ اگر یہ جڑی بوٹی سندھ اور پنجاب کا کوئی شخص استعمال کریں تو اس کا خون خراب ہو سکتا ہے۔

یہ تو طبعی نقطۂ نگاہ تھا لیکن اگر ہم حلال کھانے اور ان آداب واخلاقیات کا موازنہ سماجی اخلاقیات سے کریں تو اس تحقیق سے یہ نتیجہ بھی حاصل ہوا کہ تمام امور افراد کی فردی اور اجتماعی زندگی کو سدھانے کے لیے ضروری ہے کیوں کہ غذا کا جائز اور حلال ہونا انسان کو غلط کام کرنے سے روکتا ہے۔ کیونکہ معاشروں کی بنیادی ضروریات میں سے سب سے بڑی ضرورت بھوک ہے اور اس بھوک کو مٹانے کی خاطر انسان گناہ کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا لیکن جب انسان یا اشخاص کا حصول پاکیزہ اور حلال غذا ہوگی تو لازمی ہے کہ حلال غذا حرام مال یا کسی کو قتل کر کے حاصل نہیں کی جاسکتی اور یہی نکتہ انسان کو غلط کام کی طرف مائل ہونے سے روکتا ہے۔ اسی طرح سے کم کھانا اور محفل میں دوسرے لوگوں کے بعد کھانا نکالنا یا کم نکالنا یہ ایسے دلائل ہیں جو انسان کی خواہش نفسانی اور حرص وہوس کے جذبات کو قابو رکھ سکیں اور انسان زیادہ کھانے کی خواہش میں دوسرے لوگوں کا حق نہ مار جائے دوسرا اخلاقی پہلو یہ بھی ہے کہ زیادہ کھانے کا رجحان اقوام کی ترقی کی راہ میں ایک کانٹا ثابت ہوتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ کیونکہ زیادہ کھانا یا ضرورت سے زیادہ کسی بھی اشیا کا استعمال انسانی صلاحیتوں کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے۔ کیونکہ زیادہ کھانے سے انسان کی جسمانی اور ذہنی استعداد متاثر ہوتی ہے اور انسان کے کام کرنے کی رفتار سُست ہو جاتی ہے۔ زیادہ کھانا انسانی اذہان سے سوچ وفکر کی صلاحیتیں بھی چھین لیتا ہے۔ خاص کر ذھنی کام کرنے والوں کی لیکن اس کا یہ قطعاً مطلب نہیں کہ انسان بھوکا رہنا شروع کر دے حفظانِ صحت کے مطابق ایک مناسب غذا کا حصول انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔

حاصل تحقیق یہ ہے کہ بلاشبہ قواعد وضوابط اور اخلاقی آداب ہی کسی قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں اور یہ انسان کی انفرادی حیثیت اور اجتماعی حیثیت کو مضبوط بناتے ہیں۔ اجتماعی حیثیت میں سماج اور سماجی رویوں کو اخلاقی سطح پر بلند کر کے مذہبی، سماجی اور معاشی استحکام عطا کرتے ہیں۔ اور انہی فکری نظری سوچ کی وجہ سے امام غزالی کو جدید فلسفہ کا اخلاقی موجد کہا جاتا ہے۔

امام غزالیؒ کی کتاب پر تحقیق سے جو نتیجہ اخذ کیا وہ بھی یہی ہے کہ چاہے دینی اصول ہوں یا دنیاوی رابطے سب کی بنیاد اور جڑ اخلاقیات ہی ہیں اور اعلیٰ اخلاقیات ہی اعلیٰ سماجی رویوں کی آئینہ دار ہوتی ہیں جو معاشروں کے عروج میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ اچھائیاں اور اخلاقی ضابطے اقوام کی تاریخ کو زندہ و جاوید بنا دیتے ہیں اور ایسی ہی اقوام کا تہذیب وتمدن آنے والی نسلوں، ملتوں اور قوموں کے لیے مثال بن جاتا ہے۔

مراجع وحواشی

(۱) محمد غزالیؒ، امام، احیاء العلوم الدین، (اردو ترجمہ، محمد احسن صدیقی)، ج، دوم، ص۔۲، کراچی، دارالاشاعت ۱۹۷۹ء

(۲) ایضاً، ج: دوم، ص۔۲ (۳) ایضاً، ج: دوم، ص۔۲ (۴) ایضاً، ج: دوم، ص۔۲

(۵) ایضاً، ج: دوم، ص۔۲ (۶) ایضاً، ج: دوم، ص۔۲ (۷) ایضاً، ج: دوم، ص۔۲

(۸) ایضاً، ج: دوم، ص۔۲

(۹) کیکاوس بن سکندر، امیر، قابوس نامہ، (اردو ترجمہ، میاں محمد افضل)، ص۔۶۷، لاہور الفیصل، ۲۰۰۵ء

(۱۰) محمد غزالیؒ، ج: دوم، ص۔۳ (۱۱) شبلی نعمانی، علامہ، الغزالی ص۔۸۸، لاہور، اسلامی کتب خانہ، س۔ن

(۱۲) محمد غزالیؒ، ج: دوم، ص۔۴ (۱۳) ایضاً، ج: دوم، ص۔۴ (۱۴) ایضاً، ج: دوم، ص۔۴

(۱۵) ایضاً، ج: دوم، ص۔۴ (۱۶) ایضاً، ج: دوم، ص۔۵ (۱۷) ایضاً، ج: دوم، ص۔۵

(۱۸) ایضاً، ج: دوم، ص۔۵

(۱۹) ایضاً، ج: دوم، ص۔۵ (کھانے کے بعد انگلیوں پر اگر کچھ لگا ہو تو اسے چاٹ لینا سنت ہے۔ اس لیے اسے سنت ہی کے درجہ میں سمجھا جائے۔ مدیر)

(۲۰) ایضاً، ج: دوم، ص۔۵

(۲۱) ایضاً، ج: دوم، ص۔۵ (اتباعِ سنت کی اپنی برکات ہیں۔ اس لیے بعض صحابہ کدو کو کاٹتے وقت بھی اس سنت کا خیال رکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے کس طرح کاٹا تھا۔ مدیر)

(۲۲) کیکاوس بن سکندر، ص ۶۷ (۲۳) محمد غزالیؒ، ج: دوم، ص۔۸

(۲۴) ایضاً، ج: دوم، ص۔۸ (۲۵) کیکاوس بن سکندر، ص ۷۷ (۲۶) ایضاً، ج: دوم، ص۔۸

(۲۷) ایضاً، ج: دوم، ص۔۸ (۲۸) ایضاً، ج: دوم، ص۔۸ (۲۹) ایضاً، ج: دوم، ص۔۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳۰) ایضاً، ج: دوم، ص۔۸ (۳۱) ایضاً، ج: دوم، ص۔۸ (۳۲) ایضاً، ج: دوم، ص۔۹

(۳۳) ایضاً، ج: دوم، ص۔۹ (۳۴) ایضاً، ج: دوم، ص۔۹ (۳۵) ایضاً، ج: دوم، ص۔۹

(۳۶) ایضاً، ج: دوم، ص۔۹ (۳۷) ایضاً، ج: دوم، ص۔۱۱ (۳۸) ایضاً، ج: دوم، ص۔۱۱

(۴۰) ایضاً، ج: دوم، ص۔۱۳ (۴۱) ایضاً، ج: دوم، ص۔۱۳ (۴۲) ایضاً، ج: دوم، ص۔۱۳

(۴۳) ایضاً، ج: دوم، ص۔۱۴ (۴۴) ایضاً، ج: دوم، ص۔۱۵ (۴۵) ایضاً، ج: دوم، ص۔۱۶

(۴۶) ایضاً، ج: دوم، ص۔۱۷ (۴۷) شبلی نعمانی، علامہ، ص۔۸۹ (۴۸) محمد غزالیؒ، ج: دوم، ص۔۱۸

(۴۹) شبلی نعمانی، علامہ، ص۔۹۰ (۵۰) ابن بطوطہ، سفرنامہ، (اردو ترجمہ محمد حسین)، ص۔۵۵، لاہور، تخلیقات، ۲۰۰۲ء

(۵۱) محمد غزالیؒ، ص۔۱۹ (۵۲) شبلی نعمانی، علامہ، ص۔۲۴۹ (۵۳) محمد غزالیؒ، ج: دوم، ص۔۱۹

(۵۴) ایضاً، ج: دوم، ص۔۲۱ (۵۵) ایضاً، ج: دوم، ص۔۲۱ (۵۶) ایضاً، ج: دوم، ص۔۲۴

(۵۷) ایضاً، ج: دوم، ص۔۲۲ (۵۸) ایضاً، ج: دوم، ص۔۲۳ (۵۹) ایضاً، ج: دوم، ص۔۲۳

(۶۰) ایضاً، ج: دوم، ص۔۲۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com